17

اللہ کی پناہ چاہنا

تفسیر معوذتین

ابو سلیم محمد عبدالحئیؒ ٥

قرآن پاک کی آخری سورتوں کو معوذتین کہتے ہیں یعنی وہ سورتیں جن میں ہمیں استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ "استعاذہ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ پہلے اس کے معنی اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اس کے اندر بچنے' پناہ لینے' حفاظت میں آنے کا مفہوم پایا جاتا ہے' یا یوں کہیے کہ جس چیز سے آپ ڈرتے ہوں' اس سے بھاگ کر کسی ایسے کی پناہ اور حفاظت میں چلے جانا جو آپ کو اس سے بچا سکے۔ اسی کے مادے سے لفظ "اعوذ" نکلا ہے جس کا مطلب ہے کہ میں حفاظت میں آتا ہوں' پناہ لیتا ہوں۔ اس میں چھپ جانے اور چمٹ جانے کا بھی مفہوم ہے۔ یعنی جس چیز سے آپ کو خوف ہے' اس سے بچنے کے لیے آپ کسی کی آڑ لیں یا اس سے چمٹ جائیں۔ جیسے کوئی بچہ اس وقت بھاگ کر باپ کی آڑ لے لیتا ہے اور اس سے چمٹ جاتا ہے جب اس پر اس کا کوئی دشمن حملہ کرتا ہے۔

قرآن پاک میں ان دونوں سورتوں سے پہلے سورۂ اخلاص کو رکھا گیا ہے۔ سورۂ اخلاص میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بندہ اپنا سب کچھ اللہ ہی کو سمجھے۔ بندگی ہو تو اس کی' اطاعت ہو تو اس کی' محبت ہو تو اس سے' خوف ہو تو اس سے' غرض یہ کہ زندگی کے ہر معاملے میں' بندے کی نظر اس پر رہے۔ بندہ اس سے امید لگائے' اس سے مانگے اور اسی کو اپنا آخری سہارا سمجھے۔ سورۂ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "صمد" کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی وہ ذات جسے کسی حالت میں کسی کی کوئی ضرورت نہ ہو' بلکہ اس کے برخلاف ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ بندہ پناہ لے تو اللہ کی ہی لے' اور اس کی حفاظت کو اپنے لیے کافی سمجھے۔ اس کے سوا اگر بندہ کسی دوسرے کی پناہ لیتا ہے تو گویا وہ اپنے عمل

---

٥ سابق مدیر' ماہنامہ الحسنات' لاہور

سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے "صمد" ہونے کا یقین اس کے دل میں اچھی طرح بیٹھا نہیں ہے۔ چنانچہ ان دونوں سورتوں میں "استعاذہ" کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ اس توحید کا لازمی تقاضا ہے جس کی تعلیم سورۂ اخلاص میں موجود ہے۔

انسان کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے کمزور ہو جاتا ہے یا اس بارے میں وہ کوئی غلط روش اختیار کر لیتا ہے تو وہ اللہ کے سوا دوسروں کی پناہ لیتا ہے اور مصیبتوں اور آفتوں سے بچنے کے لیے دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی بے شمار شکلیں ہر دور میں موجود رہی ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو صاف طور پر بہت سے خیالی معبودوں کو پناہ دینے والا اور مصیبتوں سے بچانے والا سمجھا' کچھ نے جنات سے یہ تعلق جوڑا' کسی نے مذہبی بزرگوں اور نیک لوگوں کو مشکل کشا اور دست گیر قرار دیا' کچھ لوگوں نے ٹوٹکوں کو مصیبت ٹالنے کا سبب جانا' کہیں نظربد سے بچنے کے لیے گنڈے' جھاڑ پھونک اور ٹونے اور ٹوٹکے ایجاد ہوئے' کہیں امراض کو آسیب اور جنات کا خلل سمجھ کر ان سے بچنے کے لیے طرح طرح کے جتن اختیار کیے گئے۔ اصحاب کہف اور ان کے کتے سے امیدیں لگائی گئیں' شہیدوں کی روحوں کی پناہ ڈھونڈی گئی اور اسی طرح کی نہ جانے کتنی باتیں اختیار کر لی گئیں' اور یہ یقین کر لیا گیا کہ اس طرح مصیبتیں ٹل سکتی ہیں اور بلاؤں سے نجات مل سکتی ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ سب باتیں توحید کے اقرار کے خلاف ہیں اور اسلام ان سب کو مشرکانہ حرکات ہی قرار دیتا ہے۔

ایسی تمام باتوں کے متعلق مومن کے سوچنے کا ڈھنگ بالکل الگ ہوتا ہے' اس کا ایمان ہے کہ جو کچھ آتا ہے اللہ کی طرف سے آتا ہے۔ اس کی منشا اور ارادے کے بغیر یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر نفع پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر اس کے حکم سے کوئی مصیبت آئے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اس ایمان اور یقین کا تقاضا یہ ہے کہ مومن ہمیشہ اللہ کی پناہ ڈھونڈتا ہے' وہ صرف اس کی حفاظت کو کافی سمجھتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت اس کا سہارا صرف اللہ ہوتا ہے۔ پھر یہ تو مادی تکالیف اور دنیوی مصیبتوں کا حال ہے۔ مومن کی نظر تو اس سے بہت آگے جاتی ہے۔ اس کی نگاہ میں سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ بندہ آخرت کی زندگی میں ناکامی سے دوچار ہو جائے۔ اس لیے وہ ان دنیوی مصیبتوں ہی کے لیے نہیں' بلکہ آخرت میں اس کے عذاب سے بچنے کے لیے بھی پناہ اور حفاظت کا محتاج ہے۔ مومن اچھی طرح جانتا ہے کہ آخرت میں اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے بچانے کے لیے کوئی سہارا اس کے سوا ممکن ہی نہیں کہ آدمی اللہ کی حفاظت کا مستحق ہو جائے اور اس کی پناہ میں آ جائے۔ چنانچہ جب وہ پناہ اور حفاظت کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کی نظر میں آخرت بھی ہوتی ہے' اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی پناہ اور اس کی حفاظت طلب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن ہر حال میں اپنے اللہ کا قرب تلاش کرتا ہے' اس کی طرف رجوع کرتا ہے' اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے' اس کی

حفاظت میں اپنے آپ کو دے دینا چاہتا ہے، اسی سے تعلق جوڑتا ہے، اسی کے قدموں میں خود کو ڈالتا ہے، اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے، اسی سے مانگتا ہے، اسی کے آگے گڑگڑاتا ہے، اسی کی عظمت اور بڑائی کو دل میں جگہ دیتا ہے، اور صرف اسی سے ڈرتا ہے۔ لفظ "اَعُوْذُ" میں یہ پوری کیفیت آ جاتی ہے۔ بندہ جب کہتا ہے کہ اعوذ باللہ "میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں" تو اس فقرے میں وہ سب کیفیات آ جاتی ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان ہوئی۔ اعوذ باللہ کہنے والا اپنے آپ کو بالکل اللہ کی حفاظت میں دے دینے کا اعلان کرتا ہے، ایسی حفاظت جو اسے دنیا اور آخرت دونوں جہان کی مصیبتوں سے بچانے کے لیے بالکل کافی ہو۔

ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں "استعاذہ" کی تعلیم دی ہے۔ ایسی جامع تعلیم کہ پھر اس کے بعد اس بارے میں ہمارے لیے کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آگے چل کر جب ان دونوں سورتوں کے الفاظ کی تشریح آپ کے سامنے آئے گی تو آپ محسوس کریں گے کہ اس مقصد کے لیے اس سے بہتر اور کوئی صورت ممکن ہی نہیں تھی۔

ان دونوں سورتوں کی یہی اہمیت اور ان کے مضامین کی یہی وسعت ہے جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت عقبہؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمھیں یہ نہ بتادوں کہ پناہ چاہنے والوں کے لیے پناہ چاہنے کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا، ضرور! تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: "قُل اَعُوذ برب الفلق اور قُل اَعُوذ بروب النّاس پڑھا کرو"۔ ترمذی میں آتا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھا کروں۔ ترمذی، نسائی اور سنن ابوداود میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حبیبؓ نے فرمایا کہ ایک بار ہم بارش والی اندھیری رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے تاکہ حضورؐ ہمیں نماز پڑھائیں۔ حضورؐ مل گئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "کہو"۔ لیکن میں نے کچھ نہ کہا۔ حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا "کہو"۔ میں پھر بھی کچھ نہ بولا۔ تب حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا "کہو"۔ تو میں نے عرض کیا: "کیا کہوں؟" فرمایا: "کہو قل ھو اللہ احد، اور معوذتین، تین تین بار شام کے وقت اور صبح کے وقت، تمھارے لیے ہر موقع اور ہر ضرورت کے لیے کافی ہے"۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر اور جسم پر جہاں تک ہاتھ جا سکتا، پھیر لیتے۔

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان سورتوں کا پڑھتے رہنا نہایت ضروری ہے اور اس سے پڑھنے والے کو بہت فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، بالخصوص جب انسان کسی زحمت میں مبتلا ہو تو اس وقت ان کا ورد کرنا

بہت مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ انسان انھیں سوچ سمجھ کر پڑھے اور ذہن سے ان تمام باتوں کو نکالے جو ان سورتوں کے مضمون کے خلاف ہوں، اور ایسے کاموں سے بچے جن سے اللہ ناخوش ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے اعتبار سے مومن کے لیے اتنی ضروری ہیں کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کھانے پینے، اور لباس کا درجہ بھی ان کے بعد ہی آتا ہے۔

آگے بڑھنے اور ان سورتوں کے مضامین پر تفصیل کے ساتھ غور کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی چند اور باتیں واضح کر دی جائیں۔

پناہ چاہنے کا جو مفہوم ہے وہ تو ایک حد تک آپ کے سامنے آچکا، اب یہ اور سمجھ لیجیے کہ انسان جس کی پناہ چاہتا ہے اس کے بارے میں اس کا تصور کیا ہوتا ہے، اور کیا ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ آدمی اسی سے پناہ چاہے گا جس کے بارے میں اسے یہ یقین ہو کہ وہ اسے اس مصیبت سے بچانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ یہ قدرت صرف اللہ تعالیٰ میں ہے، اسی لیے ان سورتوں میں پناہ چاہنے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر ہوا ہے جو کسی پناہ دینے والے کے لیے ضروری ہیں۔ یعنی رب الفلق، رب الناس، ملکَ الناس اور الٰہ الناس۔ ان صفات کی تشریح آگے اپنے موقع پر آرہی ہے۔ ان صفات کا ذکر کر کے انسان کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ صرف وہی ذات جس میں یہ صفات پائی جائیں اس قابل ہے کہ پناہ چاہنے والے اس کی پناہ چاہیں، وہی انھیں مصیبتوں سے بچا سکتی ہے اور جب تک کسی میں یہ صفات نہ ہوں، اس سے یہ امید لگانا کہ وہ پناہ دے سکتا ہے، صحیح نہیں۔

تیسری بات جو اس سلسلے میں سمجھ لینے کی ہے، یہ ہے کہ وہ چیزیں جن سے پناہ چاہی جائے کیا ہو سکتی ہیں؟ بہت سی چیزیں تو وہ ہیں جن کا آفت اور مصیبت ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور ان سے بچنے کے لیے اس کے اندر فطری طور پر ایک جذبہ موجود ہے۔ مثلاً بیماری، افلاس، کسی دشمن کا خوف یا اور آفتیں جن سے انسان دوچار ہوتا رہتا ہے۔ لیکن مومن کی نظر میں سب سے بڑی آفت وہ گناہ ہیں جو اسے اللہ کی رحمت سے دور کرتے ہیں اور اس کے عذاب کا مستحق بناتے ہیں۔ ان سورتوں میں اس سے پناہ مانگنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ پہلی سورہ میں جن چیزوں سے پناہ چاہنے کا ذکر ہوا ہے ان کی تشریح تو آگے آئے گی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں۔ دوسری سورہ میں ان آفتوں سے پناہ چاہنے کی تلقین کی جا رہی ہے جو انسان کے اندر پائی جاتی ہیں، اور اس کے ذہن اور فکر کو متاثر کرتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ○ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ○ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ ○ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ○

کہو کہ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے مالک کی، ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی، اور اندھیری رات کی برائی سے جب وہ چھا جائے۔ اور گنڈوں پر پھونکنے والیوں کی برائی سے۔ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

اس سورہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بندہ جب بھی پناہ لے تو صرف اللہ کی پناہ لے۔ اور اللہ کا ذکر یہاں اس کی اس صفت کے ساتھ کیا گیا ہے کہ وہ رب الفلق ہے۔ فلق کے معنی ہیں پھاڑنا، اسی نسبت سے صبح کو بھی فلق کہتے ہیں۔ کیوں کہ جب رات کی سیاہی پھٹتی ہے تو دن کی روشنی ظاہر ہوتی ہے بلکہ فلق کے لفظ سے تمام ہی مخلوقات مراد لی جاتی ہیں۔ کیوں کہ ہر چیز کی پیدایش میں کسی نہ کسی طرح پھٹنے کا عمل موجود ہے۔ مثلاً ہر دانہ اور ہر گٹھلی جب پھٹتی ہے تو اکھوا باہر آتا ہے، اور اکھوے کو پودے کی شکل میں آنے کے لیے زمین کا پھٹنا نئی پیدایش کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح انڈے کا پھٹنا، اور رحم کے اندر مختلف جھلیوں اور پردوں کا پھٹنا نئی پیدایش کے لیے ضروری ہے۔ اس طرح صرف ایک لفظ رَبِّ الْفَلَقِ کہہ کر یہ حقیقت ہمارے ذہنوں کے سامنے واضح کر دی گئی کہ تمھیں جس ذات کی پناہ لینے کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ، وہ ذات ہے جس کے حکم سے رات اور دن ہو رہے ہیں۔ صبح کا نمودار ہونا دراصل اس پورے نظام کی ایک بہت نمایاں علامت ہے جس کے ماتحت ہماری زمین گردش کر رہی ہے۔ تو وہ ذات وہ ہے جو اس پورے نظام کی مالک ہے اور جس کے حکم سے یہ پوری کائنات اور اس کا نظام قائم ہے۔ پھر اس کرہ پر جو کچھ پیدا ہو رہا ہے اس سب کا مالک بھی وہی ہے، اسی کے حکم سے دانے اور گٹھلیاں پھٹتی ہیں، اور زمین سے نباتاتِ اگتی ہیں، اور اسی کے حکم سے ہر جان دار کی پیدایش کا سلسلہ جاری ہے۔ تو بھلا جو ذات ایسی ہو اس کی پناہ لے لینے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس زمین اور آسمان کے اندر کوئی چیز بھی ایسی باقی رہ سکے جو اپنے طور پر کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہو؟ یہاں تو جو کچھ ہے وہ سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اسی کے حکم میں ہے۔ تو اگر ہم یہاں مختلف چیزوں کی برائیوں سے بچنا چاہتے ہیں تو کیوں نہ اس ذات کی پناہ لیں جس کے قبضے میں سب کچھ ہے، اور جو سب کا پیدا کرنے والا ہے؟ اس طرح ایک چھوٹا سا فقرہ رَبِّ الْفَلَقِ کہہ کر ہمیں یہ بتا دیا گیا کہ ہم کیوں سب کی طرف سے نظریں ہٹا کر اپنے آپ کو صرف اللہ کی پناہ میں دے دیں اور کیوں اس کے علاوہ نہ کسی سے خوف کھائیں اور نہ کسی کی برائی سے بچنے کے لیے کسی اور کی پناہ لیں۔

اس سورہ میں جن چیزوں کے شر یا برائی سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ لینے کی تاکید کی گئی ہے ان میں سب سے پہلے شَرِّ مَا خَلَقَ کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی ہر اس چیز کی برائی جو اللہ نے پیدا فرمائی ہے۔ یہ ایک ایسا فقرہ ہے کہ اس میں تمام ہی چیزیں شامل ہیں اور اس سے باہر کسی چیز کا امکان ہی نہیں، کیوں کہ یہاں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہی ہے۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کا شر

ظاہر ہوتا ہے اور ہم سب اسے جانتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ ہمیں تکلیف پہنچاتی ہیں یا ہمارے لیے غم اور اَلم کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن میں ہمیں بظاہر کوئی شر نظر نہیں آتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں بھی شر کا پہلو موجود ہے۔ اور ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان چیزوں کے شر سے بھی بچنے کے لیے اللہ کی پناہ لیں۔ یہ بات چند مثالوں سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

ایک ایسے کھانے کا تصور کیجیے جو انتہائی لذیذ ہے اور بھوک کے وقت جب ہم اسے کھاتے ہیں تو انتہائی خوشی محسوس کرتے ہیں' لیکن اگر اسی کھانے میں زہر ملا ہو تو ظاہر ہے کہ ہم اس کے شر سے بچ نہیں سکتے' اور وہی مزے دار کھانا ہمارے لیے موت کا پیغام ثابت ہوتا ہے۔ یہی حال گناہوں کا ہے' ان میں عام طور پر لذت ہوتی ہے لیکن اپنے نتیجے کے اعتبار سے وہ ہمارے لیے مہلک ہوتے ہیں۔ کبھی تو ان کی وجہ سے مصیبت اور تکلیف اسی دنیا ہی میں جھیلنا پڑ جاتی ہے' ورنہ یہ تو یقینی ہے کہ ان کا برا انجام ایک دن ضرور سامنے آئے گا' اور اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں یہی کام جو آج بڑے مزے دار معلوم ہوتے ہیں ہمارے لیے انتہائی مصیبت اور رنج کا سبب بنیں گے۔

اسی طرح دولت اور مال کو لیجیے۔ بظاہر یہ ہمارے لیے راحت' آرام اور خوشی کا موجب ہے لیکن اگر دولت پاکر ہم ایسے کام کرنے لگیں جو خدا کی ناخوشی کا سبب بنتے ہیں تو یہ دولت ہمارے لیے شر کا سبب ہو سکتی ہے۔ یہی حال فقر و فاقہ کا بھی ہے۔ غریبی اور تنگی میں مبتلا ہو کر اگر کوئی شخص صبر سے کام نہیں لیتا' اور کوئی ایسا کام کرنے لگتا ہے جو خدا کی ناخوشی کا سبب ہو' مثلاً اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکوہ و شکایت کرنا' یا اپنی غریبی اور مفلسی کو بہانہ بنا کر حرام طریقے پر مال حاصل کرنا' یا اسی طرح کے اور کام' تو یہ اسی فقر و فاقہ کی حالت کا شر ہے۔

اسی طرح اگر آپ غور کریں گے تو ہر بات میں شر کا اندیشہ موجود پائیں گے یہاں تک کہ وہ کام جو خالص دینی کام سمجھے جاتے ہیں' ان میں بھی شر کا پہلو موجود ہے۔ آپ کسی دینی موضوع پر ایک تقریر کرتے ہیں یا کوئی مضمون لکھتے ہیں لیکن اگر اس کی غرض شہرت ہو' اور آپ کی نیت محض دنیوی نفع حاصل کرلینا ہو تو یہی پہلو شر کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا لباس تبدیل فرماتے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے بھی اللہ کی پناہ لیتے۔ نیا لباس پہن کر ہو سکتا ہے کہ آدمی غرور کرنے لگے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے بدلے اس کے نفس میں خراب خیالات آنے لگیں' بس یہی شر کا پہلو ہے۔ غرض یہ کہ ہر کام اور ہر بات میں ایک ایسا پہلو موجود ہے جو اسے نتیجے کے اعتبار سے شر بنا سکتا ہے۔ آپ کا کاروبار' آپ کی کھیتی باڑی' آپ کی روزی کمانے کے حلال طریقے' بیوی بچوں کے ساتھ معاملہ' عزیزوں اور دوستوں سے ملنا جلنا' آپ کی بات چیت' غرض یہ کہ ہر نقل و حرکت اور آپ کے ہر کام میں ایسے پہلو موجود ہیں جو نتیجے کے اعتبار سے اسے شر بھی بنا سکتے ہیں۔

اب ذرا خیال کیجیے کہ یہ کمزور انسان جس کے ساتھ نفس اور شیطان لگا ہوا ہے، اور ہر وقت اس بات کا ڈر ہے کہ وہ کسی نہ کسی شر کا شکار ہو جائے، کس طرح اپنے کو شر سے بچا سکتا ہے۔ کون سی طاقت ایسی ہے جو ہر وقت اس کا ہاتھ پکڑ سکے؟ اور کون سا سہارا ایسا ہے جو اسے ہر وقت شر سے بچا سکے؟ اسی کے لیے مجبوراً انسان کو ہر وقت اللہ کی پناہ کی ضرورت ہے۔ اس کی مدد اور اس کے فضل کے بغیر وہ ہرگز شر سے بچ نہیں سکتا۔ ہر وقت اس بات کا ڈر ہے کہ وہ کسی نہ کسی شر کا شکار ہو جائے۔ اس طرح آپ محسوس کریں گے کہ اللہ کی پناہ لینے کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ کس قدر ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان ہر وقت خطرے میں ہے۔

اس کے علاوہ شَرِّ مَا خَلَقَ میں وہ تمام شر شامل ہیں جنھیں ہم عام طور پر شر کہتے ہیں۔ مثلاً حیوانوں کے شر، انسانوں اور جنوں کے شر، کیڑے مکوڑوں اور دوسری اذیت دینے والی چیزوں کے شر۔ بیماریاں، آندھیاں، بجلیاں اور اسی طرح کی تمام آفات آسمانی و زمینی سب ہی اس میں شامل ہیں۔

دوسری چیز جس کے شر کا ذکر اس سورہ میں کیا گیا ہے وہ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ہے۔ غاسق، اندھیری رات کو کہتے ہیں اور جب اندھیری رات اچھی طرح پھیل جاتی ہے تو اس کا شر بھی بڑھ جاتا ہے۔ رات کے پردے میں طرح طرح کی برائیاں چھپی ہوتی ہیں۔ کہیں رات جان اور مال کے لیے خطرہ بن کر آتی ہے، اور کہیں شیطانی کاموں کے لیے آسانیاں فراہم کرتی ہے۔ رات کے شر کا تصور ہر زمانے اور ہر مقام کے لحاظ سے الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔

تیسری چیز جس کے شر کا ذکر اس سورہ میں ہے، وہ گنڈوں [گرہوں] پر پھونکنے والیوں کا شر ہے۔ اس سے مراد جادو ہے۔ جادو کرنے والی عورتیں اور مرد کچھ ناپاک روحوں اور شیاطین کی مدد سے ایسے عملیات کرنے لگتے ہیں جن سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جا سکے۔ ایسی چیزوں کے شر سے بچنے کے لیے کچھ لوگ عاملوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جادو کا توڑ جادو سے کیا جائے۔ اس سورہ میں ہمیں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ اس قسم کے شر سے بچنے کے لیے عملیات کا سہارا لینا درست نہیں، بلکہ مومن کے لیے صحیح طریقہ صرف ایک ہے کہ وہ اللہ کی پناہ چاہے، اور ان چیزوں کے شر سے بچنے کے لیے صرف اسی کی پناہ ڈھونڈے۔

چوتھی چیز جس کے شر کا ذکر کیا گیا ہے وہ حسد کرنے والے کا حسد ہے۔ حسد دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس اللہ کی کسی نعمت کو دیکھے تو اسے دیکھ کر دل میں کڑھے اور یہ چاہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے یا اس کے بدلے مجھے مل جائے۔ دل کی یہ بیماری دراصل ذہن کی ایک بڑی خرابی کا پتا دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسد کرنے والا یہ نہیں مانتا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ مانتا تو وہ یہ خواہش بھی کر سکتا تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت سے نوازا ہے، وہ مجھے بھی عطا کرے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حسد کرنے والا اللہ تعالیٰ کی حکمت، تدبیر اور رحمت پر ایمان نہیں رکھتا، ورنہ اسے یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ اس کی حکمت، تدبیر اور رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے اپنے کسی بندے کو اپنی کسی نعمت سے نوازا،

ہے۔ ذہن کی اس خرابی کی وجہ سے انسان کے دل میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں وہ ایسی تدبیریں سوچنے لگتا ہے جن سے کام لے کر وہ اس شخص کو نقصان پہنچائے جسے اللہ نے اپنی نعمتیں دی ہیں۔ یہ جذبہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے حسد کی آگ کو بجھانے کے لیے دوسرے کو برباد کرنے کی صورتیں پیدا کرے۔

حسد کی یہ بیماری دل کی بدترین بیماریوں میں سے ایک ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں اس پر نظر رکھنا چاہیے کہ اس ناپاکی کا کوئی حصہ خود ہمارے دل میں گھسنے نہ پائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہمیشہ یہ بات اپنے ذہن میں تازہ رکھیں کہ اصل دینے والا صرف اللہ ہے۔ جس کسی کو جو کچھ ملا ہے' اسی سے ملا ہے اور جس کسی کو جو کچھ نہیں ملا ہے وہ اسی کے منشا اور حکمت کے تحت ہے۔ جب اللہ کی قدرت اور حکمت کے بارے میں انسان کا ایمان کمزور ہوتا ہے' اسی وقت اس کے دل میں حسد کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اللہ پر صحیح ایمان رکھنے والا تو یہ جانتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ کسی کو دیا ہے اس میں بھی اس کی آزمایش اور امتحان ہے' اور جس کسی کو محروم رکھا ہے اس میں بھی آزمایش اور امتحان ہے۔ حسد سے بچنے کے لیے سب سے زیادہ مفید تدبیر یہ ہی ہے کہ آدمی اپنے ایمان کو تازہ کرے۔ اسی سے صحیح فکر پیدا ہوتی ہے اور آدمی دل کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

جہاں تک دوسروں کے حسد کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہمیں اس سورہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ کو کافی سمجھیں' اور ہر وقت اسی سے یہ لو لگائیں کہ جب اس نے ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے تو وہ ہمیں ان لوگوں کے شر سے بھی محفوظ رکھے جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دیکھ کر جلتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں۔ عام طور پر جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص ہمارے پاس اللہ کی کسی نعمت کو دیکھ کر جل رہا ہے اور وہ ہمارا برا چاہ رہا ہے تو ہمارے دل میں اس کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں' ایسے جذبات سے دل کو خالی رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے اور اس شخص کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کی پناہ لینا چاہیے۔ یہی بات ہمیں اس سورہ میں سکھائی گئی ہے۔

اللہ کی نعمتوں کا تصور کرتے ہوئے سب سے پہلے ہماری نظر میں مادی نعمتیں آتی ہیں مثلاً مال و دولت' اولاد' منصب اور اقتدار وغیرہ۔ لیکن مومن کی نظر میں ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ایمان اور عمل صالح کی نعمت ہے۔ اس نعمت کو دیکھ کر جلنے والا انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جب وہ کسی بندے کو ایمان اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال دیکھتا ہے تو سخت بے چینی محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ نعمت چھن جائے۔ اس کے لیے وہ بے شمار چالیں چلتا ہے اور ایک بندۂ مومن کے لیے ہر وقت اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ وہ شیطان کی کسی چال کا شکار ہو جائے اور خدانخواستہ اللہ کی اس سب سے بڑی نعمت سے محروم ہو جائے۔ مومن کو سب سے زیادہ یہی نعمت عزیز ہے' کیوں کہ یہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے ان ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا ذریعہ بن سکتی ہے جو آخرت میں اسے ملیں گی۔ اسی لیے مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک طرف تو اس نعمت کو باقی رکھنے اور بڑھانے کی فکر میں لگا رہے اور دوسری طرف وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے ان

نعمتوں کو دیکھ کر جلنے والے شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ حسد کرنے والوں میں بدترین حسد کرنے والا شیطان ہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۞ مَلِكِ النَّاسِ ۞ اِلٰهِ النَّاسِ ۞ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۞ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۞ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۞

کہو کہ میں پناہ لیتا ہوں لوگوں کے رب کی' لوگوں کے بادشاہ کی' لوگوں کے الٰہ کی' اس کے شر سے' جو بہکاتا اور چھپ جاتا ہے' جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے' چاہے وہ جن ہو یا انسان۔

۱۔ اس سورہ میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے کہ بندہ صرف اللہ کی پناہ لے۔ یہاں اللہ کی تین صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام لوگوں کا رب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ تمام لوگوں کا مالک اور بادشاہ ہے' اور تیسرے یہ کہ وہ تمام لوگوں کا الٰہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ مانتا ہے وہ تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اسے چھوڑ کر وہ کسی دوسرے کی پناہ لے۔ کیونکہ جس کے بارے میں ہمارا یہ ایمان ہو کہ وہی ہمیں پال رہا ہے' ہماری دیکھ بھال کر رہا ہے' اور ہمارے تمام کاموں کا بنانا اسی کے ہاتھ میں ہے' اور ہمیں جس چیز کی بھی ضرورت ہے' وہ وہی فراہم کر رہا ہے' وہی ہماری حفاظت کر رہا ہے' وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' ہماری دعائیں سنتا ہے اور ہماری مصیبتیں دور کرتا ہے' تو بھلا اس ایمان اور یقین کے بعد کسی دوسرے کی پناہ لینے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؟

اسی طرح اس کی دوسری صفت پر غور کیجیے۔ جب ہم اسے بادشاہ مانتے ہیں تو اس کا مطلب یہی تو ہے کہ سارے معاملات کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے' ہم اس کے بندے اور غلام ہیں' ہمارے معاملات وہ جس طرح چاہتا ہے طے فرماتا ہے۔ سارے اختیارات اس کے ہاتھ میں ہیں' اور وہی بادشاہی اور حکمرانی کا مستحق ہے' اور اسی لیے ہر مصیبت کے وقت ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں' اسی کو پکارتے ہیں۔ اس یقین اور ایمان کے بعد کسی دوسرے کی پناہ لینا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟

یہی حال تیسری صفت کا ہے۔ وہ ہمارا الٰہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری تمام حاجتیں وہی پوری کرتا ہے اور مصیبتوں اور خطروں کے وقت وہی ہمیں پناہ دیتا ہے' بے چینی میں سکون عطا فرمانا اسی کا کام ہے' اور اسی لیے وہی اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں' اس کے آگے سر جھکائیں' ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں اور اسی کے لیے اپنی نذر و نیاز پیش کریں۔ تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ایک ذات کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھیں اور پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی پناہ لینے لگیں۔

۲۔ اس سورہ میں جس چیز سے پناہ چاہنے کی تعلیم دی گئی ہے وہ بڑی اہم ہے' کیونکہ اسی کی وجہ سے

انسان گناہ میں مبتلا ہوتا ہے' اور ظاہر ہے کہ جو چیز انسان کو گناہ میں مبتلا کرے اس سے بڑا شر اور کس چیز کا ہو سکتا ہے؟ گناہ ہی تو انسان کو دنیا اور آخرت کی مصیبتوں میں ڈالتا ہے۔

اس سے پہلی سورہ میں جن چیزوں کے شر سے پناہ لینے کی تعلیم دی گئی تھی' وہ خارج میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کسی دوسرے کا ظلم' کسی چیز سے پہنچنے والی تکلیف' جادو یا حسد وغیرہ۔ لیکن اس سورہ میں اس چیز کے شر سے بچنے کا ذکر ہے جو کہیں باہر نہیں' بلکہ خود ہمارے اندر پائی جاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ پہلی سورہ میں جن چیزوں کے شر سے بچنے کا ذکر ہے ان کے سلسلہ میں آدمی مجبور ہے۔ وہ شر اگر اسے پہنچ جائیں تو خود اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف اس سورہ میں جس شر سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اس میں اگر کوئی شخص مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اسی شخص پر آتی ہے۔ نفس کی جن خرابیوں اور برائیوں میں ہم مبتلا ہوتے ہیں' ان سے پہنچنے والی شر کی ذمہ داری سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟

۳۔ اس سورہ میں جس چیز کے شر سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے وہ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ہے۔ وسواس اسے کہتے ہیں جو وسوسہ ڈالے۔ وسوسہ دل میں آنے والے برے خیال کو کہتے ہیں۔ شیطان کا کام یہی بتایا گیا ہے کہ وہ انسان کے دل میں برے خیالات ڈالا کرتا ہے۔ خود انسان کا نفس بھی ایسے خیالات کا سبب بنتا ہے۔ ان ہی کو وسوسہ کہتے ہیں۔ یہاں اس طرح وسوسہ ڈالنے والے کی صفت خنّاس آئی ہے۔ خنّاس اسے کہتے ہیں جو ظاہر ہو اور چھپ جائے۔ ان وسوسوں کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی ہوتی ہے' آپ کے دل میں ایک وسوسہ آتا ہے' اگر آپ فوراً اللہ کو یاد کریں' یا اس سے پناہ چاہیں تو وہ فوراً غائب ہو جاتا ہے' جیسے کوئی چھپا ہوا سانپ بل سے منہ نکالے اور پھر فوراً دبک جائے۔ اور پھر جب اللہ کے ذکر سے آپ کا دل غافل ہو جاتا ہے تو پھر وہ وسوسہ آنے لگتا ہے۔ اسی بار بار چھپنے اور ظاہر ہونے والے کو خنّاس کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بندے کے دل میں وسوسہ ڈال سکے' لیکن اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ بندے سے کوئی غلط کام کرا بھی لے۔ دل میں برا خیال آنے کے بعد بندے کو اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اس خیال کے مطابق برائی میں مبتلا ہو جائے اور چاہے تو بچ جائے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں دل میں برا خیال آنے پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ خیال کے مطابق عمل کرنے پر پکڑ ہو گی (آسان تفسیر' ص ۳۶۸ - ۳۸۰)۔